پرواز ادب

نومبر۔ دسمبر ۱۹۹۲ء

جگر جالندھری

غزل

حضور دیکھے ہیں ہم نے جناب دیکھے ہیں
زمیں میں دفن کئی آفتاب دیکھے ہیں

اشارے کرتے ہیں پردے سے بر سرِ محفل
حجاب والے بڑے بے حجاب دیکھے ہیں

ترے بدن کی مہک ہے ترے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گلاب دیکھے ہیں

وہ کب اٹھاتے ہیں سر اپنا بحرِ ہستی میں
شکستہ ہوتے جنہوں نے حباب دیکھے ہیں

جناب کو مری نظروں نے جب سے دیکھا ہے
نہ کہکشاں نہ مہ و آفتاب دیکھے ہیں

محبت آپ کی جنت کبھی ہے جہنم بھی
ثواب دیکھے ہیں اس میں عذاب دیکھے ہیں

نہ حسن ہے نہ جوانی ہے پائدار جگر
غروب ہوتے مہ و آفتاب دیکھے ہیں

غزل

ایسا طوفان اُٹھا دیدۂ تر آج کی رات
جانے پائیں نہ کسی طور وہ گھر آج کی رات

میرے گھر ٹھہرے گا وہ رشکِ قمر آج کی رات
چاند کو سونپوں گا دربانیِ در آج کی رات

سامنے بیٹھے ہیں وہ رُوپ سُنہری لے کر
تارِ زرّیں ہے مرا تارِ نظر آج کی رات

نہ ہو دورانِ مُلاقات میں دِن کا کھٹکا
اے فلک! کاٹ دے تو وقت کے پَر آج کی رات

لے کے آیا ہے کوئی شوخ چمکتا چہرا
کیوں نہ تقسیم کرُوں لعل و گُہر آج کی رات

چاند سا حُسن ہے سُورج سی جوانی اُن کی
ہیں بیک وقت بہم شمس و قمر آج کی رات

کل مُلاقات کا وعدہ ہے کسی خُوش رُو سے
رات مجھ کو ہے قیامت کی جگر! آج کی رات

غزل

ہر دِل یہاں بے تاب ہے۔ معلُوم نہیں کیوں!
ہر آنکھ میں سیلاب ہے۔ معلُوم نہیں کیوں!

اِنسان میں تلخی کبھی دیکھی نہ تھی اِتنی
ہر بات میں زہراب ہے۔ معلُوم نہیں کیوں!

کل تک تو بڑے چین سے تھا آس کا پنچھی
آج اُڑنے کو بے تاب ہے۔ معلُوم نہیں کیوں!

آواز نکلتی ہی نہیں مُنہ سے کسی کے
ہر حلق میں سیماب ہے معلُوم نہیں کیوں!

طُوفان تو پہلے بھی کئی دیکھے ہیں دِل نے
اب کے بڑا بے تاب ہے۔ معلُوم نہیں کیوں!

جو پُھول ہے۔ کانٹے کی طرح سُوکھ گیا ہے
کانٹا جو ہے شاداب ہے معلوم نہیں کیوں!

جب ساقیِ مے خانہ و مے کش ہیں سب اپنے
پھر شیشوں میں زہراب ہے۔ معلُوم نہیں کیوں!

مرگھٹ میں پڑی لاشوں کی مانند جگر! آج
ہر محفلِ احباب ہے۔ معلُوم نہیں کیوں!

غزل

غمِ ہستی سے جو ڈر جاتے ہیں
مرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں

روٹھ جاتے ہیں کنارے جن سے
ڈوب کر پار اُتر جاتے ہیں

یاد کی ٹیس کہاں جاتی ہے؟
وقت سے زخم تو بھر جاتے ہیں

خوف کتنا ہے ہمارے اندر!
سانس کے شور سے ڈر جاتے ہیں

گل و شبنم کی طرح ہنس رو کر
سب کے دن رات گزر جاتے ہیں

دل شکستہ ہیں یہاں تک ہم لوگ
اک ہی ٹھوکر سے بکھر جاتے ہیں

غم کا طوفاں ہی نہیں کم ہوتا
چڑھ کے دریا تو اُتر جاتے ہیں

کتنے حساس طبیعت ہیں جگر
پھول کی چوٹ سے مر جاتے ہیں

غزل

دل تڑپ کر انہیں تڑپاتا ہے
پیار میں لطف بڑا آتا ہے
زندگی کی نہیں کوئی منزل
کارواں ہے کہ بڑھا جاتا ہے
سب کی صورت میں ہے تیری صورت
تو مجھے سب میں نظر آتا ہے
آ گئی ہو گی مری یاد انہیں
کون آئینے سے شرماتا ہے؟
تب وہ رکتے ہیں کسی منزل پر
جن کو چلنے میں مزا آتا ہے؟
اُن سے بہتر ہے تصور اُن کا
جب بلاتا ہوں، چلا آتا ہے
کوئی آساں ہے بتاتا مجھ کو؟
اس زمانے پہ ترس آتا ہے!
آج انسان کے ہاتھوں ہی جگر!
خون انساں کا ہوا جاتا ہے!

غزل

آپ خود اپنی تمنّا کیجیے
عشق میں اِک حُسن پیدا کیجیے

دُھوپ میں خود جلئے پیڑوں کی طرح
دوسروں پر اپنا سایا کیجیے

ایک مدت سے بھی طالبِ دیدار ہوں
میرے گھر میں بھی اُجالا کیجیے

غیر نیچا خود بخود ہو جائے گا
خود کو پہلے اُس سے اُونچا کیجیے

کیجیے پہلے مرے دُکھ کا علاج
پھر مسیحائی کا دعوےٰ کیجیے

بارشِ دیدار رُک رُک کر ہے کیا؟
ہم پہ ساون بن کے برسا کیجیے

اِک زمانہ آپ کا مُشتاق ہے
ایسا جوہر خود میں پیدا کیجیے

جو خزاں میں بھی نہ مُرجھائیں جگرؔ!
ایسے پھولوں کی تمنّا کیجیے

غزل

ہزار دعوے کرے آفتاب۔ کیا ہوگا؟
تو لاجواب ہے۔ تیرا جواب کیا ہوگا؟

کسی سے پیار کے دو بول بھی نہیں ملتے
زمانہ اِس سے زیادہ خراب کیا ہوگا؟

نگاہ سوز نظاروں کو کیسے دیکھیں گے ہم؟
اگر وہ ہو بھی گئے بے نقاب۔ کیا ہوگا؟

بدل کے رکھ دیئے دِل آج کے زمانے نے
اِس انقلاب کے بعد انقلاب کیا ہوگا

جو دِن کو چاند بنے اور رات کو سورج
اُس آدمی سے کوئی فیض یاب کیا ہوگا؟

تو وہ غزل ہے کہ سبھی شعر جس کے دِل کش ہیں
مری نظر سے ترا انتخاب کیا ہوگا؟

سوالِ دید لیئے جا رہا ہوں پھر بھی جگر!
یہ جانتے ہوئے اُن کا جواب کیا ہوگا

قطعات

نشۂ تقدیر

اپنی تقدیر پہ تُو ناز نہ کر
یہ نشہ چڑھ کے اُتر جائے گا
آج مغرور ہے جس صُورت پر
کل اِسے دیکھ کے ڈر جائے گا

بُرا وقت

اُن کی عزّت گئی۔ وِقار گیا
اُن کی راحت گئی۔ قرار گیا
اَے جگرؔ! وقت کے بِگڑنے سے
اچھّے اچھّوں کا اِعتبار گیا

اچھّا وقت

صاحِبِ اِقتدار ہوتا ہے
صاحِبِ اِختیار ہوتا ہے
جان ہوتا ہے محفلوں کی بشر
وقت جب سازگار ہوتا ہے

ہم سفر

دو قدم ساتھ ساتھ چلنے سے
راہ رو ہم سفر نہیں بنتے
بنتے ہیں آپسی محبت سے
چونے پتھر سے گھر نہیں بنتے

دُنیاداری

مقبولِ خاص و عام جو ہونا ہے آپ کو
اپنا وقار - اپنی خودی بھول جائیے
آئینہ بنیئے ایسا کہ ہر صاحبِ نظر
جیسا بھی چاہے ویسا ہی چہرا دکھائیے

یکسانیت

اُن کی نظروں میں سب برابر ہیں
نیک جن کا خیال ہوتا ہے
آدمی کا ہو کوئی رنگ، مگر
خُون کا رنگ لال ہوتا ہے